© rasailojaraid.com

تقویت پہنچتی ہے جو اس نے بغداد کے فلاکت زدہ اور سمرقند کے زوّار غیاث الدین محمد عباسی کے ساتھ روا رکھا۔ دہلی کے چار شہروں میں سے ایک شہر سیدی پورا کا پورا اسے بخش دیا، تمام مشرقی علاقے اسے جاگیر میں دیدیئے سو دیہات رواں اخراجات کے لیے عطا کئے اور بے حساب زروجواہر اس کے نذر کیے۔ اس پر مستزاد کہ زمین بوس ہوکر اس کی کورنش بجالایا، اپنا سر زمین پر رکھ کر اپنی گردن پر اس کا پاؤں رکھوایا۔ بقول ابن بطوطہ اس طرح کی حرکت کسی بادشاہ سے نہ سنی گئی اور نہ دیکھی گئی اور بقول سر ولزلی ہیگ اس تعظیم اور تقدیس غلو آمیز کو عقل وفہم سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ غیاث الدین محمد عباسی بڑا خوش قسمت تھا کہ سلطان الہند نے اسے بے انتہا انعام واکرام سے سرفراز فرمایا، ورنہ مصر، شام، عرب، عراق، ایران، خراسان، وماوراء النہر بلکہ خود برعظیم میں لاکھوں عباسی موجود تھے اور ان میں اکثریت ضرورت مندوں کی تھی، لیکن وہ نوازش سلطانی سے محروم اور لذائذ دینی سے بے بہرہ ہی رہے۔ سچ ہے کہ ''ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟'' [۲۸]

سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ کی اس مبالغہ آمیز ''پذیرائی'' کی مورخین نے بعض تو جیہات کی ہیں، مثلاً یہ کہ سلطان ''پدرکش'' تھا ملک کے عوام وخواص اس کی حکومت کو ناجائز اور اسے متغلب اور غاصب سمجھتے تھے۔ اس عوامی ناپسندیدگی اور سلطنت کی غیر قانونی حیثیت کے باعث اسے وہ وقار واحترام حاصل نہ تھا جو اس کے پیشرو سلاطین کو حاصل رہا تھا، چنانچہ سلطان اپنی حکومت کو قانونی شکل دینے کی غرض سے مصر کے عباسی خلفاء سے رجوع ہوا۔ مصری خلفاء سے پروانہ حکومت، سند اقتدار اور لوائے حاکمیت کے حصول کی بناء پر اس کی حکومت کو سند جواز مل جاتی اور عوام وخواص میں اس کی بری شہرت اس کے لیے ندامت کا باعث نہ بنتی۔ اس لیے سلطان کی عباسیوں سے غیر معمولی دلچسپی اور عقیدت محض ذاتی وجوہ کی بناء پر تھی۔ اس میں کوئی مذہبی جذبہ کارفرما نہ تھا، یہ محض ایک سیاسی عمل تھا جو سلطان نے اپنے کرتوت پر پردہ ڈالنے اور بدنامی کو نیک نامی میں تبدیل کرنے کے لیے کیا۔ جہاں تک سلطان محمد بن تغلق کے ''پدرکش'' ہونے کی بات ہے وہ محض بات ہی بات ہے، نہ معاصر کتب تاریخ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور نہ سلطان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردار و سیرت سے اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔ وہ اپنے والد کے تخت نشین ہونے سے بہت پہلے سے عہد خلجی کے بڑے امراء میں شمار ہوتا تھا اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے ہاں وہ بڑا معزز و معتمد علیہ تھا۔ سلطان غازی ملک کے تخت نشین ہوتے ہی، اسے ولی عہد نامزد کیا گیا اور الوغ خان کے لقب سے ملقب کیا گیا، یوں سلطنت میں اس کی حیثیت اپنے والد کے بعد سب سے نمایاں تھی۔ اس کے والد کو اس پر اس حد تک اعتماد تھا کہ بنگال کے سفر پر جاتے وقت سلطنت کے سیاہ و سپید کا اسے مالک بنا گیا تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق عوام و خواص میں بے حد مقبول تھا اور اگر اس کے بیٹے فخر الدین جونا خاں کے ہاتھ اس کے خون سے رنگین ہوتے تو امراء اور خود مرحوم سلطان کے دوسرے بیٹے اور قرابت دار اسے آسانی سے اورنگ نشین دہلی نہ ہونے دیتے، بغاوتیں ہوتیں، احتجاج ہوتا اور کشت و خون کے بغیر جونا خاں محمد شاہ نہ بن پاتے۔ اس بناء پر سلطان محمد شاہ کی عباسیوں سے عقیدت مندی کی وجہ پدر کشی نہیں ہوسکتی وہ پدر کش تھا ہی نہیں۔[۲۹]

مصر کے مسلوب الاختیار خلفاء کی اس تعظیم کی اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان محمد بن تغلق اپنی افتاد طبع اور خام خیالی کے باعث علماء، قضاۃ، مشائخ و صوفیہ سے بدظن تھا۔ عوام و خواص میں ان حضرات کی غیر معمولی مقبولیت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، اس نے ان حضرات کو ذلیل و خوار کرنے کی بہت کوششیں کیں اور انھیں اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔ اسے یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ اس کے خلاف جو بغاوت بھی ہوتی ہے، اس میں علماء، قضاۃ، مشائخ، اور صوفیہ کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہر باغی امیر کو دعائیں دیتے ہیں اور اس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ ان وجوہ کی بناء پر وہ، ان حضرات کی جمعیت کو پراگندہ، ان کی علمی مجالس کو منتشر اور ان کی خانقاہوں کو ویران کر دینا چاہتا تھا، ان لوگوں کو ذلیل کرنے کی غرض سے ان سے وہ خدمات لینی چاہتا تھا جو ان کے مرتبہ سے پست اور ان کی حیثیت سے حد درجہ گری ہوئی ہوتی تھیں۔ اس کوشش کے سلسلہ میں اس نے ان حضرات کے مقابلہ میں اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے کی غرض سے عباسی خلفاء مصر سے رجوع کیا۔ اس کے خیال میں ان نام نہاد خلفاء کو جو مذہبی تقدس حاصل تھا، ان سے سند توثیق حاصل کر لینے اور ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی توسل کے ذریعۂ وہی تقدس اس کی حکومت کو حاصل ہو جائے گا اور یہ ارباب جبہ و دستار، اس کے حضور سر اطاعت خم کر دیں گے یا اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو عوام وخواص کی نظروں سے گر جائیں گے اور ان لوگوں نے اپنے گرد تقدس کا جو ہالہ بنالیا ہے وہ مدہم ہو کر مٹ جائے گا۔ اس کے علاوہ اسے ان کے خلاف ظلم و تعدی کی سند جواز مل جائے گی اور وہ ''اسلامی معاشرہ'' سے ان لوگوں کے اثرات کو بالکل میٹ کر رکھ دیگا۔

۷۴۴ھ (۱۳۴۳ء) میں سلطان محمد بن تغلق کو مصر کے عباسی خلیفہ الحاکم بامر اللہ ثانی کی جانب سے سند حکومت عطاء ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں سلطان کے خلاف بغاوتوں کا سیلاب پھوٹ پڑا تھا اور وہ انھیں فرو کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ خلافت عباسیہ کی سند جواز سے، اس کے خلاف شورش میں کوئی کمی نہ ہوئی، بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ ہی ہوا۔ گجرات اور دکن کی غیر مختتم بغاوتوں کو فرد کرنے کی غرض سے وہ رمضان ۷۴۵ھ (جنوری ۱۳۴۵ء) میں دہلی سے روانہ ہوا اور پھر اسے واپس آنا نصیب نہ ہوا اور محرم ۷۵۲ء (مارچ ۱۳۵۱ء) میں اس نے ٹھٹھہ کے قریب سنڈا کے مقام پر انتقال کیا اور سلطان کو اپنی رعایا سے اور رعایا کو اپنے سلطان سے نجات مل گئی [۳۰]

اس بناء پر یہ دعویٰ کرنا خلاف واقعہ نہ ہوگا کہ سلطان نے جس مقصد کے تحت عباسیانِ مصر سے کافی تگ ودو اور صرف کثیر کے بعد پروانہ حکومت اور سند جواز حاصل کی تھی، وہ پورا نہ ہوا، اس کے مخالفوں میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور اس کے مسائل سلجھنے کے بجائے الجھتے ہی گئے۔ نہ علماء، قضاۃ، مشائخ وصوفیہ کی مخالفتوں میں اور نہ امراء و سپاہ کی سرکشی میں کسی طرح کی کمی ہوئی بلکہ بنگال دکن، گجرات اور سندھ کے وسیع علاقے اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اپنے اس مقصد کے حصول میں سلطان کو ناکامی کا منہ تو دیکھنا ہی تھا کیونکہ ان مصری خلفاء کو کسی قسم کا مذہبی تقدس حاصل نہ تھا اور عوام الناس میں انھیں وہ قبولیت نہ حاصل تھی جو اپنے زمانہ میں بغداد کے عباسی خلفاء کو ملی ہوئی تھی۔ ان خلفاء کو مصر و شام کی ہمسایہ عثمانی سلطنت درخور اعتناء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ سمجھتی تھی اور انھیں ''ممالیک'' کا ایک ڈھکوسلہ جانتی تھی۔ اور جب روانیہ میں ان کے سلطان سلیم اول نے ان ممالیک کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ کرلیا (۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء) تو اس سلسلہ کے آخری خلیفہ کو اس کے جملہ امتیازات و متبرکات کے ساتھ قید کر کے استنبول لے گیا۔ ان کے زوال خاتمہ پر کوئی چشم تر نہ ہوئی اور کسی شاعر نے ان کا کوئی مرثیہ بھی نہ لکھا [۳۱]۔ البقاء للہ۔

حواشی:

[۱] برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۴۵۷ تا ۴۵۹

[۲] ایضاً ص ۴۷۰ و ۴۷۱

[۳] ایضاً ص ۴۶۵۔۴۶۶، ابن بطوطہ، الرحلۃ، مصر ۱۹۲۸ء، حصہ دوم، صفحہ ۵۳ تا ۵۹

[۴] ضمیمہ، Agha Mahdi Hussain, The Rise And Fall of Muhammad Bin Tughluq, London,1935

[۵] برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۶۲، ۴۶۳؛ ۴۶۰، تا ۴۶۵

[۶] Amir Hasan Siddiqi, The Caliphate & Sultanat in Medieval Persia, Karachi, 1969,83,132

[۷] I. H.Qureshi, The Administration of Sultantat of Delhi, Karachi, 1958,pp22-29

[۸] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، لاہور ۱۹۸۴ء جلد ۱۳، ص ۴۳۱ شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء، جلد ۴، ص ۴۰۵ تا ۴۰۷۔

[۹] ابن بطوطہ، الرحلہ، ۲: ۴۴؛ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۹۹، و بعد

[۱۰] ابن بطوطہ ۲: ۴۵ تا ۴۷؛ The Cambridge History of India, Delhi, 1958, Vol III, PP160-166

[۱۱] ابن بطوطہ ۲: ۴۵ و بعد

[۱۲] ایضاً

[۱۳] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[۱۴] ایضاً ۴۷ و ۴۸؛ The Cambridge History of India, III, PP 158,159

[۱۵] محمد الخضری، تاریخ الامم الاسلامیہ، (الدولۃ العباسیۃ) مصر ۱۹۷۰ء ص ۸ تا ۲۸؛ The Caliphate, P31

[۱۶] بغدادی، الفرق بین الفرق، مطبوعہ مکتبہ الصبیح مصر، ص ۲۹ و بعد؛ شہرستانی، الملل والنحل، مصر، ۱۹۶۱ء، جلد اول، ۱۴۶، و بعد، نیز خضری۔

[۱۷] طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف مصر ۱۹۶۶ء، ۷: ۴۲۱۔۴۴۲؛ ابن اثیر، الکامل، بیروت ۱۹۶۷ء، ۴: ۳۲۲ و بعد۔

[۱۸] طبری تاریخ، ۷: ۴۲۵ تا ۴۲۷

[۱۹] خضری، تاریخ الامم الاسلامیہ (الدولۃ العباسیۃ) صفحہ ۶۱ تا ۶۹

[۲۰] مسعودی، مروج الذہب، مصر ۱۳۸۴ء، جلد سوم صفحہ ۳۰۶ تا ۳۱۲، خضری، ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۹۰، ۲۳۶، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۳۴۴، ۴۸۱ وغیرہ؛ ابن الاثیر، الکامل، بضمن سنین ۱۴۵، ۱۵۹، ۱۹۹، ۲۰۰ وغیرہ۔

[۲۱] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، مصر ۱۳۸۰ھ صفحہ ۳۰ تا ۳۴

Caliphate and Sultanate in Medievel Persia, P38

[۲۲] الماوردیؒ الاحکام السلطانیہ، ص ۵ تا ۹؛ عبدالقاہر بغدادی، اصول الدین، بیروت ۱۴۰۰ھ صفحہ ۲۷۱ تا ۲۸۶؛ الفرق بین الفرق، صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۱؛ ابن خلدون، مقدمہ، مطبوعہ تجاریہ کبریٰ، مصر (س ن) ص ۱۹۰۔

[۲۳] الماوردی، ص ۱۰ تا ص ۱۵؛ Caliphate & Sultanate , pp 132,133,154& 204

[۲۴] The Administration of the Sultanate of Delhi, pp 28,29

[۲۵] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۱۳: ۳۳۱۔۳۳۵؛ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، جلد چہارم ص ۴۰۵ تا ۴۲۱۔

[۲۶] برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۹۰ و ۴۹۱؛ Cambridge History of India,3:177,376

[۲۷] بضمن حوالہ نمبر ۲۵

[۲۸] بضمن حوالہ نمبر ۸ تا ۱۴

[۲۹] سید معین الحق، A short History of Sultanate of Delhi, Karachi 1956, pp 125, 126

[۳۰] برنی تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۵۲۵؛ Cambrige History of India, 3:172

[۳۱] شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، جلد چہارم، صفحہ ۴۳۰، ۴۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایرانی تصوف

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی

قرطاس

''ایرانی تصوف'' ہندوستان کے مشہور دانشور، ایرانیت پر سند اور فارسی زبان کے ماہر ڈاکٹر کبیر احمد جائسی کی وہ تصنیف ہے جس میں انھوں نے ایران کے مشہور شیعہ عالم سعید نفیسی کی تصوف پر ایک اہم کتاب ''سرچشمہ تصوف در ایران'' کے مباحث سے اردو دان طبقے کو متعارف کرایا ہے۔

سعید نفیسی کے نزدیک ایران میں جو تصوف عالم وجود میں آیا وہ شعوبیت کی انتہائی شکل ہے اگر ان کا پیش کردہ یہ نظریہ تحقیق کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو اسلامی تاریخ کے دانشوروں کو تصوف کے موضوع پر از سر نو نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی۔

ضخامت: ۲۱۶ صفحات　　　　قیمت مجلد۔/۱۵۰

شمس کبیر

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی

قرطاس

یہ خوبصورت کتاب ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مشہور نقاد اور صاحب طرز ادیب و دانشور ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی نے ڈاکٹر کبیر احمد جائسی کو اپریل ۱۹۵۸ء تا مارچ ۲۰۰۰ء کے دوران لکھے۔ یہ خطوط ذاتی نوعیت کے مسائل تک محدود نہیں بلکہ ان میں بہت سے ادبی مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں۔

صفحات: ۲۲۸　　　　قیمت: ۔/۲۰۰ روپے مجلد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہان مغلیہ کے کتب خانے کی لندن منتقلی

معین الدین عقیل

''برٹش لائبریری'' لندن میں ''دہلی کلیکشن'' ہندوستانی مخطوطات کا ایک نہایت اہم ذخیرہ ہے۔ جو مغل حکمرانوں کے شاہی کتب خانے کی ان باقیات پر مشتمل ہے جو ۱۸۵۸ء تک جیسے تیسے قلعۂ معلیٰ میں باقی رہ گئی تھیں۔ اور ایک اندازے کے مطابق شہنشاہ اکبر (۱۵۵۶ء۔ ۱۶۰۵ء) کے عہد میں جس شاہی کتاب خانے میں ۲۴ ہزار مخطوطات موجود ہوں۔ ان میں سے صرف ۳۰۱۷ مخطوطات محفوظ رہے اور انڈیا آفس لندن میں منتقل ہوئے۔[۱]

مغل حکمرانوں کو چاہے ان کی زندگی اور ان کا عہد حکمرانی کیسی ہی آزمائشوں، لشکر کشیوں اور مشکلات و مصائب ہی میں کیوں نہ گزرا ہو، انہوں نے اپنے ذوق مطالعہ اور کتب دوستی اور کتب داری کا ثبوت بھی دیا ہے۔ جب کہ بعض حکمراں تو تصنیف و تالیف اور حاشیہ نویسی کا شوق بھی رکھتے تھے۔ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے بانی بابر (۱۵۲۶ء۔۱۵۳۰ء) کو نہ صرف مطالعے اور کتاب داری کا شوق تھا بلکہ وہ تو صاحب دیوان شاعر اور اپنی یادداشتوں اور دیگر کتابوں کا مصنف بھی تھا۔[۲] شاہی کتب خانے کا قیام بھی اسی کے ذوق و جستجو کے نتیجے میں عمل میں آیا۔ روایت ہے کہ وہ ہندوستان آتے ہوئے اپنے اسلاف کے نوادرات اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ کتابوں کے تحائف وہ بڑے شوق سے قبول کرتا اور جب فتوحات میں کتب خانے ہاتھ لگتے تو وہ انہیں بلا تکلف شاہی کتاب خانے میں ضم کر لیتا اور شہزادوں میں بھی تقسیم کرتا۔[۳] چنانچہ جب اس کے فرزند ہمایوں (۱۵۳۰ھ۔۱۵۵۶ھ) نے تخت سنبھالا تو وہ بھی شاہی کتب خانے میں اضافے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ترقی کا باعث بنا۔ ریاضی، نجوم اور علم ہیئت سے اسے خاص دلچسپی تھی اس مناسبت سے اس نے ان علوم پر کتابوں کو جمع کرنے کا خصوصی اہتمام کیا۔ اسے ادب سے بھی شغف تھا اور شاعری کا ذوق بھی رکھتا تھا۔۵

شاہی کتب خانے کو اکبر کے عہد میں مزید فروغ حاصل ہوا۔ اس نے مختلف ذرائع سے کتابیں حاصل کرنے اور جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ اہل قلم جو کتابیں تحریر کرتے ان کا ایک نسخہ کتب خانے میں ضرور بھیجا کرتے۔ فتوحات اور تحفوں کی صورت میں جو کتابیں موصول ہوتیں۔ یا امراء کے ذاتی کتب خانے بھی ان کے انتقال کے بعد شاہی کتاب خانے میں داخل کر لیے جاتے۔ فیضی کے انتقال کے بعد اس کی ۴۶۰۰ کتابیں بھی کتب خانے میں داخل کر لی گئیں۔۶ ہر سال حج کے جو قافلے حجاز جاتے ان کے ذمے وہاں سے کتابیں لانے کا کام بھی ہوتا۔ ان کوششوں کے علاوہ دارالترجمہ کے قیام اور اس کی سرگرمیوں کی وجہ سے بھی اس کتب خانے میں مختلف علوم وفنون اور متعدد زبانوں کی کتابیں جمع کی گئیں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں کتب خانہ کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے دنیا کا اس وقت کا بے مثال کتب خانہ بن گیا۔۷ اس طرح اس میں اس وقت ۲۴ ہزار کتابیں جمع ہو گئیں تھیں۔ جنہیں موضوعات کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا تھا۔۸ فیضی (۱۵۴۷ء۔۱۵۹۵ء) عبدالقادر بدایونی (۱۵۴۶ء۔۱۵۹۵ء) بھی اس کتب خانے کے مہتمم رہے۔

اکبر کے بعد جہانگیر (۱۶۰۵ء۔۱۶۲۷ء) شاہجہاں (۱۶۲۷ء۔۱۶۵۸ء) اور اورنگ زیب (۱۶۵۸ء۔۱۷۰۷ء) نے بھی اس کتب خانے کو وسعت دی لیکن مغلیہ حکومت کے دور زوال میں اس روایت میں کوئی مثالی اضافہ نظر نہیں آتا۔ محمد شاہ (۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء) کے عہد تک یہ کتب خانہ اسی حالت میں رہا لیکن بعد میں بے توجہی اور بد نظمی کا شکار ہو گیا۔ اس کی کتابیں دیگر کتب خانوں کی زینت بننے لگیں۔ متعدد کتب خانوں کے مخطوطات پر شاہی مہروں اور دستخطوں کا ثبت ہونا ایک معروف بات ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۵۷ء میں مغلیہ حکومت کے سقوط اور قلعہ معلیٰ اور دہلی کی تباہی میں یہ کتب خانہ بھی شدید طور پر متاثر ہوا۔ باقی ماندہ مخطوطات کو حکومت ہند نے محکمہ، مال غنیمت کی جانب سے ان کا نیلام کیئے جانے پر ۱۵ ہزار کے لگ بھگ روپوں میں خرید لیا جن میں سے کم اہم مخطوطات کو جن کی تعداد ۱۱۲۰ تھی، ۱۸۶۷ء میں فروخت کر دیا گیا اور باقی ۳۷۱۰ مخطوطات ۱۸۷۶ء میں انڈیا آفس لندن منتقل کر دیئے گئے۔۹ اس طرح یہ کتب خانے جو کبھی ۲۴ ہزار قیمتی کتابوں پر مشتمل تھا نسبتاً غیر اہم مخطوطات کی صورت میں اور محض ۳۷۱۰ کتابوں کی تعداد میں سمٹ کر لندن پہنچ گیا اور اب وہاں ''برٹش اینڈ انڈیا آفس لائبریری'' میں ''دہلی کلیکشن'' کے نام سے موجود ہے۔

افسوس یہ ''دہلی کلیکشن'' برٹش لائبریری میں محفوظ ہونے کے باوجود بعض دیگر ذخائر کی طرح تاحال فہرست سازی، کیٹلاگ سازی اور درجہ بندی کے مراحل سے گزر نہیں سکا۔ اس لیے دیگر مختلف ذخائر کی طرح عام استفادے کے لئے دستیاب نہیں ہے۔ راقم الحروف نے لندن کے اپنے کئی اسفار میں اور برٹش لائبریری کی متعدد زیارتوں میں اس ذخیرے کے بارے میں جستجو کی۔ لیکن یہ جستجو بے ثمر رہی۔ اتنا علم ہو گیا تھا کہ اس ذخیرے کی ایک فہرست سید علی بلگرامی (۱۸۵۱ء۔ ۱۹۱۱ء) نے اپنے قیام لندن (۱۹۰۲ء) کے دوران رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی ایماء پر مرتب کی تھی لیکن یہ فہرست بھی کوشش کے باوجود مہیا نہ کی جاسکی اور پتہ چلا کہ اس کی محض ایک نقل برٹش لائبریری میں موجود ہے۔ جب کہ اس کی اصل ''رائل ایشیاٹک سوسائٹی'' کے کتب خانے میں سی۔ اے۔ اسٹوری (C.A.Storey) (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۶۷ء) کے استعمال میں تھی اور واپس نہیں آئی۔ اپنے تجسس کے تحت برٹش لائبریری میں جب بھی اس کی عکسی نقل ہی کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی گئی تو یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ کیوں کہ وہ اپنے مقام پر موجود نہ تھی اور شاید کسی افسر متعلقہ کی تحویل میں رہی اور بارہا گزارشوں کے باوجود دستیاب نہ ہو سکی۔ مزید بدقسمتی یہ رہی کہ جب ''رائل ایشیاٹک سوسائٹی'' کے کتب خانے میں جا کر اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی گئی تو وہ وہاں بھی نہ ملی۔ بلکہ وہاں کے متعلقہ عملے نے تو اس کے وہاں وجود ہی سے لاعلمی کا اظہار کر دیا اور مزید تلاش یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاونت سے معذوری پیش کردی۔ یہ صورت حال اگر چہ مایوس کن اور تکلیف دہ تھی لیکن راقم نے ہمت نہ ہاری اور بالآخر ۲۰۰۰ء میں اپنے قیام لندن کے دوران خاص اس مقصد کے لئے وقت نکالا اور ''رائل ایشیاٹک سوسائٹی'' کے کتب خانے میں وہاں کے منتظم ایم۔ جے۔ پولوک (M. J. Pollock) صاحب کی معیت میں متعلقہ اور ممکنہ تمام الماریوں میں خود اسے تلاش کیا جو بالآخر نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ ایک گوشے میں الماری کی سب سے بالائی رو میں ہاتھوں کی رسائی سے بالاتر یہ فہرست موجود تھی۔ پولوک صاحب نے اسے نکالا تو دیکھ کر خود بھی حیران رہ گئے کہ یہ وہی مطلوبہ تھی جو خود ان کی نظر سے آج تک نہ گزری تھی اور نہ اس کی طرف انہوں نے توجہ دی تھی۔ وہ ایک عرصہ سے اس ادارے میں ایک منتظم اور لائبریرین کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہ فہرست وہاں کب سے رکھی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اسٹوری نے اپنا بے مثال کیٹلاگ Persian Literature:A Bio-Bibliographical Survey [۱۰] مرتب کرتے ہوئے اسے پیش نظر رکھا تھا اور اگر چہ وہ اپنا یہ کیٹلاگ برٹش لائبریری اور انڈیا آفس لائبریری کے فارسی مخطوطات ہی کو بنیاد بنا کر مکمل کر رہے تھے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اپنے مآخذ و مصادر کی فہرست میں کہیں کسی جگہ اس کا اندراج نہیں کیا۔

اس فہرست کے مرتب سید علی بلگرامی [۱۱] بے حد ذہین، لائق اور وسیع النظر عالم تھے اور کئی زبانیں: عربی، فارسی، بنگالی، سنسکرت، گجراتی، تلگو، ہندی، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، اطالوی اور لاطینی جانتے تھے۔ مطالعے اور تصنیف و تالیف و ترجمہ کے ساتھ ساتھ کتابیں جمع کرنے کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور اسی ذوق کی تسکین کی خاطر خود ایک وسیع اور نادر کتب خانہ ترتیب دے لیا تھا جس میں دس ہزار کتابیں موجود تھیں۔ [۱۲] علم اور اس کے فروغ سے ہمیشہ شغف رہا۔ آخر عمر میں علی گڑھ کالج کے معاملات میں دلچسپی لیتے رہے۔ حیدر آباد میں سرکاری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ایک سررشتہ علوم و فنون قائم کیا تھا جس کا مقصد اردو زبان میں تصنیف و تالیف اور ترجمے کے ذریعے علمی کتب میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ اس سررشتہ کے تحت دکن کی تاریخ پر متعدد کتابیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تالیف وترجمہ ہوئیں۔[۱۳]

خود ان کی اپنی قلمی کاوشوں میں ان کے زیادہ تر مبسوط کام تراجم پر مبنی ہیں۔ ایک مترجم کی حیثیت میں انہیں شہرت فرانسیسی مؤرخ گستاؤلی بان (Gastavlebon) کی کتابوں:

(۱) ''تمدن عرب'' اور (۲) ''تمدن ہند''[۱۴] کے تراجم سے ملی ان کے علاوہ ایک اور فرانسیسی مؤرخ موسیو سیدیو (Sedeuo) کی تصنیف کا ترجمہ ''تاریخ عرب'' کے عنوان سے شروع کیا تھا، لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ یہ کتاب عربی زبان میں ترجمہ ہو چکی ہے تو انہوں نے مزید ترجمہ روک دیا اور جس قدر ترجمہ کر لیا تھا اسے ''مخزن'' (اگست ۱۹۰۷ء) میں شائع کرا دیا۔ فرانسیسی زبان سے ان کتابوں کے علاوہ دو سفر ناموں کے ترجمے ''سلسلہ آصفیہ'' کی جلد اول اور دوم کے طور پر کیئے جو یہ ہیں:

(۳) ''دکن میں ــ جے بی ٹیورنر، ایک فرانسیسی تاجر کی سیاحت'' (مطبوعہ آگرہ ۱۸۹۷ء) اور

(۴) دکن میں موسیو تھیونو ایک فرانسیسی کی سیاحت (مطبوعہ آگرہ ۱۸۹۷ء)

انگریزی زبان سے بھی انہوں نے کتابیں ترجمہ کیں جو یہ ہیں:

(۵) ''اصول قانون طلب'' (میڈیکل جیورس پروڈنس) مصنفہ جے ڈی گریبلس (مطبوعہ آگرہ ۱۸۹۲ء) اور اسی مصنف کی

(۶) ''جنگ ٹرانسوال'' (مطبوعہ آگرہ ۱۹۰۰ء)

(۷) ''نظام اکبری'' مصنفہ جی بی مایسن (مطبوعہ حیدر آباد، سنہ ندارد)

ان تراجم کے علاوہ خود ان کی درج ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے:

(۸) ''غارہائے ایلورا کا گائیڈ''

(۹) ''حیدر آباد کے اقتصادی و طبقات ارضی معدنیات''

(۱۰) ''فارسی کی تعلیمی قدر و قیمت بمقابلہ سنسکرت پر ایک نوٹ''[۱۵]

(۱۱) ''تاریخ انگلستان'' (مطبوعہ آگرہ ۱۸۸۸ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۲) ''کلیہ ودمنہ کی تاریخ اور ماخذ اور کتب خانہ اسکندریہ کی تحقیق'' (مطبوعہ آگرہ ۱۸۹۲ء) ۱۶

(۱۳) ''تاریخ دکن'' حصہ اول (آغاز سے بیجانگر کی فتح تک) (مطبوعہ آگرہ ۱۸۹۷ء)

(۱۴) ''تاریخ دکن'' حصہ دوم (عادل شاہی اور قطب شاہی مملکتوں کی تاریخ) (مطبوعہ آگرہ ۱۹۰۰ء)

(۱۵) ''سنسکرت ادب میں یورپین اسکالروں کا حصہ''، قلمی مسودہ مخزونہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا 'دہلی' اوراق ۱۷، سنہ ندارد بحوالہ صلاح الدین خان، تصنیف مذکور ص ۱۳۴۔

(۱۶) ''ویدک لٹریچر'' مقالہ مبطوعہ مخزن ستمبر ۱۹۰۵ء

(۱۷) ''طلسم اعضائے انسانی'' ''مطبوعہ ''مخزن'' ۱۹۰۷ء قبل ازیں رسالہ ''حسن'' حیدرآباد میں شائع ہوا تھا۔ ۱۷

اس علمیت اور لیاقت کے حامل اسکالر کا انتخاب ''دہلی کلیکشن'' کی فہرست سازی کے لئے کوئی معنی رکھتا ہے۔ جب کہ اس وقت تک اور بعد میں بھی برٹش لائبریری یا انڈیا آفس لائبریری کی جتنی بھی فہرستیں مرتب ہوئیں انہیں مستشرقین یا مقامی اسکالر نے مرتب کیا تھا۔ سید علی بلگرامی ۱۹۰۱ء میں انگلستان منتقل ہوئے تھے کہ ۱۹۰۲ء میں انہیں ''دہلی کلیکشن'' کی جمع وترتیب اور فہرست سازی کے لئے مقرر کر لیا گیا۔ ایک معاصر شہادت کے مطابق وہ مترجم کاغذات عربی و فارسی کے طور پر تین سو پونڈ سالانہ پر ملازم ہوئے تھے۔ سید مظہر علی سندیلوی ''ایک نادر روزنامچہ'' مشمولہ'' خدابخش جرنل، شمارہ ۵۶، ۱۹۹۰ء، ص ۲۶۲

ایک خاندانی روایت کے مطابق اس ذخیرے میں موجود کتابوں کو از سر نو ترتیب دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ کیوں کہ یہ کتابیں مشرق کی مختلف زبانوں میں تھیں اور وہ زبان دانی کے لحاظ سے یکتا تھے اس لئے انہیں اس کام پر مامور کر دیا گیا۔ ۱۸

''دہلی کلیکشن'' کے کیٹلاگ میں کوئی تحریر یا عبارت ایسی نہیں جس سے پتہ چل سکے کہ بلگرامی نے اس ذخیرے کی ترتیب اور اس کے کیٹلاگ کے لئے کیا اہتمام کیا اور انہیں کن مسائل و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشکلات کا سامنا رہا؟ اس ذخیرے کی ترتیب میں ان کی کیا کوششیں شامل رہیں اور اس کام کا آغاز کب اور کن ہدایات کے تحت کیا اور کب تک اس کام میں مصروف رہے؟ آیا انہیں صرف فارسی مخطوطات کی فہرست سازی کے لئے ہی مقرر کیا گیا تھا یا عربی، اردو وغیرہ کے مخطوطات کی ذمہ داری خود انہوں نے قبول نہ کی؟

یہ کیٹلاگ صرف فارسی زبان کے مخطوطات کا احاطہ کرتا ہے جن کی تعداد ۱۵۵۰ ہے۔ فارسی کے علاوہ اس ذخیرے میں عربی (۱۹۵۰)، اردو (۱۰۱)، پنجابی (۳۰)، پشتو (تعداد کا علم نہیں) کے مخطوطات شامل ہیں۔ ۱۹ اس کیٹلاگ میں کوئی تفصیل یا وضاحت موجود نہیں، نہ ہی کوئی تمہید یا پیش لفظ شامل ہے۔ یہاں تک کہ سرورق بھی موجود نہیں۔ مرتب کا نام تک مکمل نہیں لکھا، صرف بلگرامی لکھا گیا ہے۔ یہ انگریزی زبان میں ہے اور ٹائپ شدہ ہے۔ کاغذ کا سائز A4 ہے اور یہ تین حصوں پر مشتمل ہے لیکن ایک ہی جلد میں مجلد ہے۔ کل اوراق ۶۹۰ ہیں، جن پر صرف ایک جانب متن ٹائپ ہوا ہے اور دوسرا صفحہ سادہ ہے، جلد پر صرف پشتے کی جانب اوپر Catalogue of the Persian Delhi Manuscripts لکھا ہے اور درمیان میں Bilgirami تحریر ہے اور نیچے C.A. Storey بلاک سے چھاپے گئے ہیں۔ اس پر C.A. Storey لکھا ہونا اور اس کا Storey کے ذخیرے میں موجود رہنا ظاہر کرتا ہے کہ اس کے استعمال میں رہا ہے۔ لیکن اس کے مرتبہ مذکورہ بالا ضخیم کیٹلاگ میں اور اس کی فہرست مآخذ میں کسی جگہ اس کا کوئی حوالہ شامل نہیں جو تعجب خیز ہے۔

راقم الحروف کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کیٹلاگ میں شامل اہم مخطوطات کا تعین کر کے ان کی تفصیلات یا مندرجات پر نظر ڈالی جاتی، یہاں ذیل میں صرف موضوعات کی ایک فہرست درج کر دی جاتی ہے جس سے اس ذخیرے کا ایک سرسری اندازہ لگانا ممکن ہو جائے گا۔ اس وقت برٹش لائبریری میں یہ بات سننے میں آئی تھی کہ اس کیٹلاگ کو نظر ثانی کے بعد شائع کرنے کا منصوبہ برٹش لائبریری کے شعبۂ علوم شرقیہ کے ارباب بست وکشاد کے پیش نظر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اب تک ظاہر نہیں ہوسکا کہ یہ کام کس مرحلہ میں ہے؟ راقم الحروف نے اس کیٹلاگ کو دیکھتے ہوئے جو یادداشتیں درج کر لی تھیں۔ ان معلومات سے قطع نظر جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ انہیں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

فہرست مشمولات میں ترتیب نمبر کے دوران متعدد نمبر شمار چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ گویا ان مخطوطات کو فہرست میں شامل کرنے کے لئے ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ شاید ایسے مخطوطات فارسی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہوں گے۔ نمبروں کی ترتیب میں پہلا نمبر ذخیرۂ دہلی کا قدیم نمبر ہے۔ جب کہ ان کے مقابل قوسین میں بلگرامی کا دیا ہوا نمبر ہے۔ کیٹلاگ ۳ حصوں پر مشتمل ہے۔ حصۂ اول میں ۱ تا ۸۰۷ مخطوطات، حصہ دوم میں ۸۰۱ تا ۱۶۶۷ اور حصہ سوم میں ۱۶۶۸ تا ۲۶۰۵ مخطوطات کی فہرست ترتیب دی گئی ہے۔

ذخیرۂ دہلی کی فہرست میں ترتیب نمبروں میں ۱ تا ۲۶۰۵ کوئی نمبر شمار حذف نہیں ہوا ہے جب کہ بلگرامی کی ترتیب نمبر شمار میں کہیں کہیں نمبر محذوف ہیں اور ۱ تا ۱۵۵۰ نمبروں کے درمیان ۳۸ نمبر موجود نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ بلگرامی نے ۱۵۵۰ مخطوطات میں سے ۱۵۱۲ مخطوطات کا کیٹلاگ بنایا ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے یہ مخطوطات کیوں چھوڑ دیئے؟ انہوں نے بہ لحاظ موضوعات جو کیٹلاگ ترتیب دیا ہے اس کی فہرست یہ ہے۔

حصہ اول

موضوعات ۲۰	مخطوطہ نمبر
تفاسیر اور اصول تفسیر	۱۔۶۵ (۱۔۳۴)
احادیث	۶۶۔۱۰۶ (۳۵۔۷۲)
اوراد و ظائف	۱۰۷۔۱۵۹ (۷۳۔۱۲۲)
اصول فقہ	۱۶۰۔۱۶۲ (۱۲۳۔۱۲۵)
فقہی کتب	۱۶۳۔۳۲۱ (۱۲۶۔۲۲۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون وراثت ۳۲۲_۳۲۳ (۲۲۱_۲۲۲)

عقائد اور مسلک ۳۲۴_۳۶۲ (۲۲۶_۲۵۳)

علم الکلام ۳۶۳_۴۵۱ (۲۵۷_۳۲۶)

قواعد زبان ۴۵۲_۵۰۲ (۳۲۷_۴۱۷)

خطابت ۵۰۳_۵۳۷ (۴۲۰_۴۲۹)

انشاء خطوط نویسی ۵۳۸_۶۹۰ (۴۳۱_۵۰۷)

لغت ولغت نویسی ۶۹۱_۷۹۱ (۵۰۸_۵۶۷)

تاریخ وسوانح ۷۹۲_۸۷۰ (۵۶۹_۶۳۰)

حصہ دوم

تاریخ سوانح ۸۷۱_۱۱۲۱ (۶۳۱_۷۸۳)

علم قیافہ ۱۱۲۲_۱۱۲۵ (۷۸۵_۷۸۸)

منطق وجدلیات ۱۱۲۶_۱۱۵۴ (۷۸۹_۷۹۷)

فطری تاریخ ۱۱۵۵_۱۱۷۱ (۷۹۸_۸۰۶)

طب ۱۱۷۲_۱۲۶۶ (۸۰۷_۸۷۲)

مواعظ خطبات ۱۲۶۷_۱۳۰۵ (۸۷۳_۸۹۹)

اخلاقیات ۱۳۰۶_۱۳۸۳ (۹۰۲_۹۵۳)

تصوف ۱۳۸۴_۱۶۶۷ (۹۵۴_۱۱۴۲)

حصہ سوم

تصوف ۱۶۶۸_۲۰۵۱ (۱۱۴۴_۱۱۹۸)

خواب نامے ۲۰۵۲_۲۰۶۰ (۱۲۰۰_۱۲۰۲)

احکام وفرامین ۲۰۶۱_۲۰۷۷ (۱۲۰۳_۱۲۰۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معمیات	۲۰۷۸_۲۰۹۵(۱۲۱۰_۱۲۱۳)
علم عروض	۲۰۹۶_۲۱۰۱(۱۲۱۴_۱۲۲۰)
دواوین	۲۱۰۲_۲۴۲۷(۱۲۲۱_۱۴۲۰)
ریاضی اور علم نجوم	۲۴۲۸_۲۵۳۴(۱۴۲۴_۱۴۷۵)
جادو اور علم رمل	۲۵۳۵_۲۵۵۵(۱۴۹۱_۱۴۹۹)
موسیقی	۲۵۵۶_۲۵۶۳(۱۵۰۰_۱۵۰۲)
متفرق	۲۵۶۴_۲۶۰۵(۱۵۰۳_۱۵۵۰)

اگر چہ یہ کیٹلاگ ''ذخیرۂ دہلی'' کے مخطوطات پر مشتمل ہے لیکن اس کی ترتیب کا کام ''رائل ایشیاٹک'' سوسائٹی نے تیار کیا تھا اور اسی لے اس کا اصلی نسخہ سوسائٹی کے کتب خانے میں محفوظ رہا۔ یقیناً یہ سی اے اسٹوری کے پیش نظر بھی رہا لیکن اس سے استفادے کا حوالہ اس کے مرتبہ کیٹلاگ کی فہارس آخذ میں شامل نہیں۔ یہ بھی یقینی ہے کہ اسے دیگر مستشرقین یا اسکالرز نے بھی ملاحظہ کیا ہو جیسے محمود شیرانی نے جو کچھ عرصہ لندن میں رہے۔ خیال ہے کہ اس ذخیرے میں شامل مخطوطات برٹش لائبریری کے مقررہ دستور اور نظام کے تحت اسکالرز اور کتب خانوں کو عاریتاً بھیجے بھی جاتے رہے اس لیے ان سے مزید افراد نے استفادہ کیا ہوگا۔ اس میں نہایت قدیم اور نادر مخطوطات کا اندراج جیسے غالب کا ایک فارسی دیوان بھی اس میں موجود تھا۔ لیکن اس جیسے مخطوطات تلاش کے باوجود بھی اس ذخیرے میں دستیاب نہ ہوئے۔[۲] اب جب تک کہ برٹش لائبریری اس کیٹلاگ کو جسے ترتیب دینے اور نظر ثانی کے لئے وہاں کی ایک کیٹلاگ ساز ارسلا سمس ولیمس معروف ہیں، شائع نہ کر دیئے۔ اس کے بارے میں اور اس ذخیرے کے بارے میں درست معلومات حاصل نہ ہو سکیں گی۔

حواشی

۱۔ وی۔ اے اسمتھ (V.A. Smith) "Akbar the Great, Mughal, 1542-1605"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(دہلی، ۱۹۵۸ء) ص ۳۰۸، لائے دی جونے (Laet De Joannes) "The Empire of the Great Moghal" انگریزی ترجمہ جے۔ ایس۔ ہولی لینڈ (J. S. Holyland) (بمبئی، ۱۹۲۸ء) ص ۱۰۸۔۱۰۹۔

۲۔ قاضی محمود الحق اور سلیم قریشی ''برٹش لائبریری کے اردو ذخیرے'' (لندن، ۱۹۸۶ء) ص ۱۷، ایس۔ سی۔ سٹن (S.C. Sutton) "A Guide to the India office Library" (لندن، ۱۹۶۷ء) ص ۳۲

۳۔ ان کا ایک مستند جائزہ! عبدالحیٔ حبیبی ''ظہیر الدین محمد بابر شاہ'' (کابل، ۱۳۵۱ش) ص ۵۷۔۷۴؛ اے ایجی مانو (EIJI Mano) "The Collected works of Babur Preserved at the Sultanti Library in Tehran" مشمولہ: Memoirs of the research department of the Toyo Bunko, 75." (ٹوکیو، ۱۹۹۹ء)

۴۔ "The Babur Nama" ترجمہ، ترتیب اور تعلیق: ڈبلیو۔ ایم۔ تھیکسٹن (W.M. Thackston) (آکسفورڈ، ۱۹۹۶ء) ص ۳۱۹۔

۵۔ معاصر تذکروں سے اس کا شاعر ہونا ثابت تھا۔ لیکن اس کے دیوان کی دستیابی سے یہ امر متحقق ہو گیا۔ تفصیلات کے لئے: حافظ شمس الدین احمد ''دیوان ہمایوں بادشاہ'' ''مشمولہ'' ''معیار'' (پٹنہ، جولائی، اگست ۱۹۳۶ء) ص ۳۱۳۔۳۱۵، اسے ڈاکٹر ہادی حسن نے مع انگریزی ترجمہ ''دیوان ہمایوں بادشاہ'' کے نام سے مرتب اور شائع کیا، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۸ء

۶۔ عبدالقادر بدایونی ''منتخب التواریخ'' انگریزی ترجمہ: ڈبلیو۔ ہیگ (W. Haig) (کلکتہ ۱۹۲۵ء) جلد سوم، ص ۴۲۱

۷۔ اسمتھ، تصنیف مذکور، ص ۳۰۷۔۳۰۸

۸۔ ابوالفضل نے اس کتب خانے کی قدرے تفصیل بیان کی ہے: ''آئین اکبری'' بہ تصحیح سید احمد خان (حالیہ عکسی اشاعت، علیگڑھ ۲۰۰۵ء) ص ۸۲۔۸۴

۹۔ قاضی محمود الحق اور سلیم قریشی، تصنیف مذکور، ص ۱۶۔۱۷

۱۰۔ مطبوعہ لندن، ۵ جلدیں و متعدد حصص، ۱۹۵۳ء تا ۱۹۹۷ء

۱۱۔ بلگرام کے ایک معزز خاندان سے تعلق تھا۔ جد امجد سید کرم حسین شاہ اودھ کی جانب سے کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل کے دربار میں سفیر مقرر تھے۔ ۱۸۴۰ء میں فوت ہوئے۔ (غالب سے دوستی تھی اور غالب کے مشہور قطعہ ''چکنی ڈلی'' کی تخلیق کے محرک یہی کرم حسین تھے۔ حامد حسن قادری ''داستان تاریخ اردو'' (کراچی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۸۸ء)ص ۶۹۷،عبدالرؤف عروج ''بزم غالب'' کراچی ۱۹۶۹ء ص ۳۲۳۔۳۲۴ و نیز تفصیلات کے لئے مالک رام، مقدمہ ''گل رعنا'' غالب (دہلی ۱۹۷۰ء) ص ۱۵۔ ۱۸ان کے دو فرزند سید زین الدین حسین اور سید اعظم الدین حسین نے مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں تعلیم پائی۔ اور دونوں نے انگریزی ملازمتیں اختیار کر کے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ سید علی بلگرامی اول الذکر کے فرزند ہیں۔ ۱۰ نومبر ۱۸۵۱ء کو پیدا ہوئے اور عربی فارسی کی تعلیم گھر پر مکمل کر کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا اور پھر لکھنؤ کے کیننگ کالج میں دو سال تعلیم حاصل کی اور ۱۸۷۴ء میں پٹنہ کالج بانکی پور میں داخل ہو کر کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ سنسکرت ان کا اختیاری مضمون تھا۔ پھر وہ انجینیر نگ کی تعلیم کے لئے رڑکی کالج میں داخل ہوئے، لیکن ۱۸۷۶ء میں سر سالار جنگ اول (۱۸۲۹ء۔۱۸۸۳ء) کی ملازمت اختیار کی اور ان کے ساتھ انگلستان گئے اور وہاں ''رائل اسکول آف مائنس'' میں ارضیات میں ایسوسی ایٹ کا امتحان کامیاب کیا۔ اور ساتھ ہی لندن یونیورسٹی سے داخلے کا امتحان کامیاب کیا اور اختیاری مضامین کے طور پر جرمنی اور فرانسیسی زبانوں کو منتخب کیا۔ واپسی پر یورپ کے ملکوں کا سفر کرتے ہوئے اطالوی اور لاطینی زبانیں سیکھنے کے لئے چند ماہ اٹلی میں قیام کیا۔ ۱۸۷۹ء میں واپس ہندوستان آئے اور حیدرآباد میں مملکت آصفیہ کی ملازمت سے منسلک ہوئے اور دس سال تک تعلیمات، ریلوے اور مائنس کے محکموں میں خدمات انجام دیں، اس عرصے میں ۱۸۸۹ء میں ایک تحقیقی عربی مجلّے ''الحقائق'' کی ادارت کے فرائض انجام دیے، جس میں خود بھی لکھتے رہے۔ یہ مجلّہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہا۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۲ء تک مدراس یونیورسٹی سے سنسکرت کے ممتحن کی حیثیت سے منسلک رہے۔ ۱۸۹۱ء میں عربی میں اعلیٰ لیاقت کی وجہ سے انہیں ''شمس العلماء'' کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے مملکت آصفیہ کی ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی اور انگلستان چلے گئے جہاں ۱۹۰۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں مراٹھی زبان کے استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا اسی سال انڈیا آفس لندن نے انہیں ''دہلی کلیکشن'' کے فارسی مخطوطات کی ترتیب اور فہرست سازی کے لیئے مقرر کیا۔ لندن میں قیام کے دوران وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے کوشاں رہے اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ ایسوسی ایشن لندن کی سرگرمیوں میں شریک رہے (ایس کے بھٹناگر، History of the M.A.O College Aligarh (بمبئی ۱۹۶۹ء، ص ۱۵۹۔۲۰۱) عمر کے آخری سال انہوں نے ہردوئی میں گزارے۔ ۲ مئی ۱۹۱۱ء کو بلگرام میں انتقال ہوا۔

حالات زندگی اور علمی خدمات کے لئے مذکورہ بالا کے علاوہ: مولوی عبدالحق ''چند ہم عصر'' (کراچی ۱۹۵۹ء) ص ۶۷۔۱۰۷، سید غلام پنجتن شمشاد ''حیدرآباد کے بڑے لوگ'' (حیدرآباد، ۱۹۵۷ء) ص ۸۷۔۱۰۵، بک لینڈ، سی۔ ای (C.E. Buckland) "Dictionary of Indian Biography" (لندن، ۱۹۰۶ء) ص ۴۱، نریش کمار جین Muslims in India, A Biographical Dictionary جلد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اول (دہلی ۱۹۷۹ء) ص ۱۳۳۔۱۳۴، این۔ کے سنگھ، "Encyclopedia of Muslim Biography"
جلد ۲، (دہلی ۲۰۰۱ء) ص ۱۵۰۔۱۵۱

کتب خانے کے لئے: محمد سلیمان علوی "تحفۃ الطلاب" (آگرہ۔۱۹۰۰ء) ص ۷۸۔۷۹، شیخ علاء
الدین اور آر کے راوٹ "Libraries and Librarianship During Muslim Rule in
India" (دہلی، ۱۹۹۶ء) ص ۲۱۴۔۲۱۵

۱۲۔ "فہرست کتب عربی، فارسی و اردو و تر کی وغیرہ، موجودہ کتب خانہ سید علی بلگرامی۔۔۔" (حیدر آباد، ۱۹۰۱ء)

۱۳۔ مولوی عبدالحق، تصنیف مذکور، ص ۷۸

۱۴۔ مطبوعہ آگرہ علی الترتیب ۱۸۹۸ء اور ۱۹۱۳ء

۱۵۔ ان تینوں تصانیف کا حوالہ مولوی عبدالحق (تصنیف مذکور ص ۷۶) اور حامد حسن قادری، تصنیف مذکور ص ۷۰)
میں ملتا ہے۔

۱۶۔ اول الذکر ان کا وہ خطبہ تھا جو انہوں نے "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۸۹۱ء میں پیش
کیا تھا، جس کی توصیف سید احمد خان اور جسٹس سید محمود نے کی تھی، جو شریک جلسہ تھے، (پنجاہ سالہ تاریخ آل انڈیا
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مرتبہ دفتر کانفرنس، مطبوعہ بدایوں ۱۹۳۷ء، ص ۴۳) کلیلہ و دمنہ اور اس کے اردو تراجم پر
ڈاکٹر گیان چند نے اپنی تصنیف "اردو کی نثری داستانیں" (لکھنو ۱۹۸۷ء، ص ۴۴۴۔۴۸۲) میں خوب داد تحقیق
دی ہے اور اس کی تاریخ و تراجم پر متعدد مآخذ سے استفادہ کیا ہے، لیکن یہ فاضلانہ مقالہ ان کے پیش نظر نہ رہا۔

آخر الذکر غالباً ان کا وہی مقالہ ہے جو جرمن اسکالر خان لولو دولف کریل (Von Ludolf
Krail) کے مقالے (۱۸۷۸ء) کا اردو ترجمہ ہے۔ اور نیشنل آرکائیوز آف انڈیا دہلی میں محفوظ ہے۔

صلاح الدین خان "Urdu Manuscripts, A Discriptive Bibliography
of Urdu Manuscripts in Delhi Libraries" (دہلی، ۱۹۷۷ء) ص ۴۶

۱۷۔ بحوالہ حامد حسن قادری، تصنیف مذکور، ص ۷۵

۱۸۔ سعادت علی خان، "خواب وخیال" (یاداشتیں) مشمولہ "آج کل" (دہلی، جون ۱۹۶۱ء) ص ۲۰

۱۹۔ ایس۔ سی سٹن (S.C. Sutton) "A Guide to the India Office Library with
a note on the India Office Records. (لندن، ۱۹۶۷ء) ص ۳۴۔۳۵۔۴۵، ۸۷

۲۰۔ موضوعات انگریزی میں تحریر ہیں، جنہیں یہاں اردو میں تحریر کیا گیا ہے۔

۲۱۔ محمد سلیم قریشی، برقی مکتوب بنام راقم الحروف، مورخہ ۲۵، اپریل ۲۰۰۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید ترکی

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

قرطاس

اس کتاب کا مقصد ممکنہ حد تک ترکی کی سیاسی تاریخ سے تعصبات کی گرد جھاڑنا ہے چنانچہ مآخذ کے طور پر مغربی مورخین کے ساتھ ساتھ مسلمان مورخین کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے تاکہ ممکنہ حد تک معروضیت برقرار رکھی جا سکے۔ یہ کتاب دس ابواب کے علاوہ ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے اور جنگ عظیم اول سے رواں صدی کے آخری برسوں تک کے سیاسی مطالعہ پر مشتمل ہے۔

صفحات: ۲۹۶ قیمت: -/۲۸۰ غیر مجلد -/۲۵۰ روپے

مطالعۂ تہذیب

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

قرطاس

تاریخ ایسا فن ہے جسے علوم حکمیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ تاریخ کی اس کتاب میں اسلامی تہذیب کے علاوہ دیگر تہذیبوں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تاریخ کے طلباء اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک اہم کتاب ہے۔

کتاب کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

صفحات: ۲۷۰ قیمت غیر مجلد: -/۱۲۵ روپے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی ادب میں وفیات نویسی کی روایت

ڈاکٹر عارف نوشاہی

(I)

مسلمانوں نے تاریخ نویسی(Historiography)میں جو تجربے کیے ہیں اور واقعات کو ماہ وسال کے ذکر کے ساتھ محفوظ رکھنے کے لیے ان کے تخلیقی ذہنوں نے جو نئی راہیں نکالیں ہیں، اس سے اسلامی ادب کی تاریخ کے ابواب روشن اور معمور ہیں۔ کسی واقعہ کی تاریخ (Date) کے لیے ہمارا پہلا ماٰخذ تاریخ کی عام کتابیں اور رجال کے تذکرے ہیں، جن میں کسی واقعہ کو وقت، دن، مہینے اور سال کے ذکر کے ساتھ نہایت اہتمام اور دِقّتِ نظر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ تاریخیں اور تذکرے سلاسل، طبقات، ملل ونحل، ادوار، مقامات اور بلادوامصار وغیرہ کے حوالے سے لکھے گئے اور ان سب میں واقعات کی تاریخ لکھنے کا خاص التزام رہا ہے۔ انہی تاریخوں اور واقعات کو خوش ذوقی اور ادبی چاشنی کے ساتھ بیان کرنے کے لیے مسلمان مورّخین اور شاعروں نے مادّہ ٔتاریخ بنانے اور قطعہ ٔتاریخ کہنے کا فن ایجاد کیا اور اس میں بھی اپنی طبّاعی اور ذہانت کے جوہر دکھائے ہیں۔ قطعات تاریخ پر عربی، فارسی، اردو میں کتب کا معتد بہ ذخیرہ موجود ہے۔

تاریخیں محفوظ کرنے کا ایک اور راستہ جو ہمارے مورّخین نے اختیار کیا وہ وفیات نگاری اور کسی ایک مقام پر مدفون لوگوں کا تذکرہ اور ان کی قبور کی الواح یا کتبات نویسی ہے۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوعات پر بھی مذکورہ زبانوں میں اب تک اس قدر مواد تصنیف ہو چکا ہے کہ خود اس کے شمار کے لیے الگ کتابیات کی ضرورت ہے۔ ان تمام موضوعات پر کتابیں وفات پا جانے والوں کی تاریخوں کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں اور انھیں تاریخ ہائے وفات کے سلسلے میں بنیادی مآخذ سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ان تمام موضوعات پر لکھی جانے والی کتب کے تذکرے کی یہاں گنجایش نہیں ہے۔ قارئین اس کے لیے ادب کی تاریخوں، مخطوطات کی فہرستوں اور مطبوعات کی کتابیات سے رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں چند ایسی اہم ترین کتابوں کا تذکرہ مقصود ہے جو خاص وفیات کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ بے شک یہ تمام کتابیں ترتیب اور معیار کے اعتبار سے ایک جیسی نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو خالصتاً تذکرۂ رجال ہیں، چوں کہ مصنّفین نے انہیں وفیات سے مختص کیا ہے لہذا ہم بھی انہیں ''وفیات نویسی'' کے فن میں شامل کرتے ہیں۔

(II)

عربی کتب

اسلامی عہد کے ادب میں وفیات نگاری کی روایت عربی زبان میں شروع ہوئی اور اس نے دوسری زبانوں فارسی، ترکی اور اردو ادب میں وفیات نگاری کو بھی متاثر کیا۔ عربی ادب میں بالخصوص علمِ تاریخ میں ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ ایک موضوع پر جب کوئی اہم تصنیف پہلی بار سامنے آتی تو بعد کے زمانے کے مصنّفین اس موضوع کو آگے بڑھاتے اور اس پر تکملے اور ذیول لکھتے، جو اپنی جگہ پر خود مستقل تصانیف شمار ہوتے ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۱ء) کی تاریخ بغداد ہی کو لے لیجیے، متاخرین نے اس کے ذیل در ذیل لکھے ہیں۔ یہی حال وفیات پر لکھی جانے والی کتابوں کا بھی ہے۔ اس موضوع پر قدیم ترین کتاب یعقوب بن سفیان الفسوی (م ۲۷۷ھ/۸۹۰ء) کی ہے جس کا نامکمل نسخہ دستیاب ہے۔ ان کے دو معاصرین احمد بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ/۱۶-۹۱۵ء) اور ابویعلی الموصلی (م ۳۰۷ھ/۹۱۹ء) کی وفیات پر تصنیف شدہ کتابیں بدقسمتی سے ضائع ہو چکی ہیں۔ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البغوی (۲۱۳-۳۱۷ھ/۸۲۸-۹۲۹ء) کی *وفیات الشیوخ* اپنے موضوع پر دستیاب پہلی مکمّل کتاب ہے (مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۸۲ء)۔ اسی نام سے ایک اور تصنیف ابو اسحاق ابراہیم بن میمون بن احمد انصاری کی بھی تھی جس کے حوالے *وفیات الاعیان* میں ملتے ہیں، لیکن اب یہ کتاب موجود نہیں ہے۔ ابی سلیمان محمد بن عبداللہ بن زبر الربعی (م ۳۷۹ھ/۹۸۹ء) کی *تاریخ مولد العلماء و وفیاتہم* میں ابتدائے ہجرتِ نبوی سے لے کر ۳۳۸ھ/۹۵۰-۹۴۹ء تک وفیات شامل ہیں۔ اس کی تکمیل ابو عبد محمد عبدالعزیز بن احمد الکتانی الحافظ (م ۴۶۶ھ/۱۰۷۴ء) نے کی۔ الکتانی کی کتاب پر ابو محمد ہبۃ اللہ ابنِ احمد الاکفانی الحافظ (م ۵۲۴ھ/۱۱۳۰ء) نے ذیل لکھا اور وفیات ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء تک لے آئے۔ *تاریخ مولد العلماء و وفیاتہم* کی جو اشاعت (بہ تحقیق محمد المصری، منشورات مرکز المخطوطات والتراث والوثائق، کویت، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء، ۴۹۹ صفحات) ہمارے پیش نظر ہے اس میں الکتانی اور الاکفانی کے اضافات بھی شامل کیے گئے ہیں۔ الاکفانی کی کتاب پر حافظ ابو الحسن علی بن مفضّل المقدسی نے ذیل لکھا اور ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء تک وفیات کا ذکر کیا۔ ابنِ مفضّل کی کتاب پر زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) نے تین جلدوں میں ذیل تحریر کیا اور اس کا نام *التکملۃ لوفیات النقلۃ* رکھا۔ منذری کے شاگرد عزّ الدین ابو لعباس احمد بن محمد بن عبدالرحمان الشریف الحسینی حلبی مصری نے ۶۷۴ھ/۷۶-۱۲۷۵ء تک وفیات کا اضافہ کیا۔ شریف الحسینی کی کتاب پر شہاب الدین ابوالحسین احمد ابن ایبک دمیاطی نے واقعۂ طاعون ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء تک وفیات کا ذیل لکھا اور اس پر حافظ زین الدین عبدالرحیم عراقی (م ۸۰۵ یا ۸۰۶ھ/۱۴۰۳ء یا ۱۴۰۴ء) نے اپنی وفات تک وفیات کا اضافہ کرتے رہے۔ بعد کے یہ تمام ذیول اصل کتاب سے کہیں زیادہ مفصّل ہیں اور تمام کے تمام سنین وار مرتّب ہوئے ہیں۔ وفیات پر ایک اور قدیم کتاب حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن سعید بن عبداللہ (م ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء) کی *وفیات المصریین* ہے جس میں ۳۷۵ھ تا ۴۵۶ھ/۹۸۵ تا ۱۰۶۵ء وفات یافتگان کا تذکرہ ہے۔ عمادالدین اسمٰعیل بن محمد المعروف بہ ابن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بردیس (م۸۶/۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) کی *الاعلام فی وفیات الاعلام* کا مخطوطہ ذخیرۂ ایاصوفیہ، کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول، (شمارہ ۲۹۶۱، ۷۴ورق) میں موجود ہے۔ محمد بن عبداللہ یمنی (م۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء) کی *قلادۃ النحر فی وفیات اعیان الدھر* کا قلمی نسخہ ذخیرہ Yeni Cami ینی جامع (یعنی نئی مسجد)، کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول، (شمارہ ۸۸۳، ۶۰۶ورق) میں موجود ہے۔ ابوالفضائل رضی الدین حسن بن محمد بن حسن صغانی/صاغانی (۵۷۷۔۶۵۰ھ/۱۱۸۱۔۱۲۵۲ء) کی *در السحابۃ فی بیان مواضع وفیات الصحابہ*، (مخطوطہ استنبول، کوپرلو لائبریری، فاضل احمد پاشا سیکشن، شمارہ ۱۰۸۰، ورق ۲۴۴۔۲۵۴ طبع مکتبہ القرآن، قاہرہ، ۱۹۹۲ء) صحابہ کرام کی وفیات پر ہے۔ انھی کی ایک تصنیف *مختصر الوفیات* بھی ہے۔

وفیات کے موضوع پر اب تک لکھی جانے والی کتابوں میں سے سب سے زیادہ متاثر کن، معتبر اور بے نظیر کتاب *وفیات الاعیان وانباء الزمان* ہے جسے ابوالعباس شمس الدین احمد المعروف ''ابن خلّکان'' (۱۱ ربیع الآخر ۶۰۸۔۲۶ رجب ۶۸۱ھ/۲۲ ستمبر ۱۲۱۱۔۳۰ اکتوبر ۱۲۸۲ء) نے ۶۵۴۔۶۷۲ھ/۱۲۵۶۔۱۲۷۳ء میں قاہرہ میں تصنیف کیا۔ اس میں مختلف طبقات الناس: علماء، شعراء، امراء اور وزراء کے حالات جمع ہوئے ہیں، جن میں سے اکثر کے ساتھ مصنف کے دوستانہ مراسم تھے۔ *وفیات الاعیان* کی مقبولیت اور سند کا عالم یہ ہے کہ اب تک اس پر کئی تکملے لکھے جا چکے ہیں اور ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے ہر ذیل پر مزید ذیول تصنیف ہوئے ہیں۔ عربی ادب کی روایت میں ان ذیول کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ چند ایک ذیول کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

۱۔ از تاج الدین عبدالباقی بن عبدالمجید مخزومی مکّی (م۷۴۳ھ/۱۳۴۲۔۴۳ء)، ۳۰ وفیات کا اضافہ کیا اور ابن خلکان کی کتاب کی کانٹ چھانٹ بھی کی۔

۲۔ از ابوالحسن احمد بن ایبک (م۷۴۹ھ/۱۴۳۸ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔فوات الوفیات از محمد بن شاکر بن احمد الکتبی (م ۷۶۴ھ/۱۳۶۳ء)

۴۔عقود الجمان از شیخ بدر الدین زرکشی (م ۷۹۴ھ/۱۳۹۲ء)

۵۔از شیخ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (م ۸۰۶ھ/۴-۱۴۰۳ء)، ۳۰ وفیات کا اضافہ کیا۔

۶۔ذیل وفیات الاعیان از ابن القاضی ابو العباس ابن ابوالعافیہ احمد بن محمد (م ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء)، مطبوعہ دار التراث، قاہرہ، ۱۹۷۲ء۔

۶۔از فضل اللہ بن ابی الخیر المعروف ابن صفاعی

وفیات الاعیان کی کچھ تلخیصات بھی ہوئی ہیں، چند ایک کے نام یہ ہیں:

ا۔جنان از شمس الدین محمد بن احمد ترکمانی (م بعد از ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء)

۲۔از ملک الافضل عباس بن ملک مجاہد علی صاحب الیمن (م ۷۷۸ھ/۱۳۷۶ء)

۳۔از شہاب الدین احمد بن عبداللہ غزی شافعی (م ۸۲۲ھ/۱۴۱۹ء)

۴۔معانی اھل البیان من وفیات ابن خلکان از شیخ بدر الدین حسن بن عمر بن حبیب حلبی (م ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء)، ۲۳۷ وفیات کا ذکر کیا ہے۔

۵۔التجرید بعون الرب المجید از وحدی ابراہیم بن مصطفیٰ بن محمد فرضی (م ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء)، یہ تلخیص ۱۱۰۴ھ/۹۳-۱۶۹۲ میں تیار ہوئی۔

وفیات الاعیان کے دستیاب فارسی تراجم میں قدیم ترین ترجمہ منظر انسان ہے جو یوسف بن احمد بن محمد بن عثمان بن علی احمد الشجاع سجزی نے ۸۹۵-۸۸۹ھ/۱۴۹۰-۱۴۸۴ء میں ابوالفتح سلطان محمود شاہ اوّل فرمان روائے گجرات کے حکم پر کیا (مخطوطہ ذخیرۂ حافظ محمود شیرانی، پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، لاہور، شمارہ ۵۰۰۳/۱۹۹۳؛ اشاعت: بہ تصحیح و تعلیق دکتر فاطمہ مدرسی، دانشگاہ ارومیہ، ایران، ۱۳۸۱شمسی/۲۰۰۲، ۳ جلدیں، اس کے سرورق پر مترجم کا نام یوسف بن احمد کی بجائے احمد بن محمد ۱۰۰۰ الخ چھپا ہے)۔دوسرا ترجمہ قاضی زادہ ظہیر الدین عبدالکبیر (یا: کبیر)

© rasailojaraid.com